مختار احمد محمدی مدنی

جب نبی آخر الزماں محمد ﷺ نبوت سے سرفراز فرمائے گئے اس وقت مکہ مکرمہ میں بہت ساری بدعقیدگیاں پائی جاتی تھیں، انہی میں سے ایک بڑی بدعقیدگی بدشگونی کی تھی جسے نحوست تو ہم پرستی اور بدفالی بھی کہا جاتا ہے، آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کے مضر اثرات سے ڈرایا اور اس سے دور رہنے کی تلقین کی، اس کے باوجود مسلمانوں کی کثیر تعداد اس بدعقیدگی کا شکار نظر آتی ہے، جہاں تک اس کی وجوہات کی بات ہے تو اس کی ایک وجہ تو جہالت، کم علمی توحید وسنت سے ناواقفیت ہے، اور دوسری وجہ ایمان وعقیدہ اور اللہ پر توکل واعتماد کی کمی ہے، اسی لئے یہ مرض زیادہ تر اہل شرک و بدعت کے یہاں پایا جاتا ہے، الحمد للہ سلف صالحین کے عقیدہ ومنہج پر چلنے والوں کے یہاں یہ بدعقیدگی نہ کے برابر ہے، تیسری بڑی وجہ برادران وطن میں بدشگونی اور توہم پرستی وغیرہ بہت عام ہے، چونکہ مسلمان انہیں کے ساتھ رہتے ہیں تو ان کی وجہ سے بھی یہ ساری خرافات مسلمانوں کے اندر آئی ہیں۔

نحوست کے لغوی معانی: بدنصیبی، بدبختی، بدشگونی، نامبارک ہونے کے ہیں بمبئی کی زبان میں اسے پنوتی کہا جاتا ہے۔

لوگوں کے نزدیک اس کی علامات یہ ہیں: تنگی، آندھی، طوفان، غبار، فقروفاقہ، سختی، تاریکی، بیماری، مشقت، قحط، نقصان، مصیبت۔

اصطلاحی تعریف: کسی دیکھی جانے والی یا سنی جانے والی یا معلوم چیز سے برا شگون لینا۔

یا جس کو اللہ نے سبب نہیں بنایا اس کو سبب ماننا۔

یا جس چیز کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں اس کے وجود کا عقیدہ کرنا۔

یہ سب بدشگونی، نحوست اور توہم پرستی کہلاتی ہے۔

دیکھی جانے والی چیز سے بدشگونی لینا جیسے: الو کا دیکھ لینا، لومڑی کا دیکھ لینا، اپاہج کا دیکھ لینا، بلی یا کتے کا سامنے سے گذر جانا۔ دوکان جاتے ہوئے کسی فقیر ومسکین کو دیکھ لینا، دوکان کھولنے کے بعد گراہک سے پہلے کسی بھیک مانگنے والے کا دوکان میں آجانا۔

معلوم چیز سے بدشگونی لینا جیسے: آنکھ کا پھڑ پھڑانا، ہتھیلی میں کھجلاہٹ ہونا، کسی مخصوص مہینے کو منحوس سمجھنا جیسے صفر کا مہینہ یا شوال کا مہینہ، یا ہر ماہ کے آخری بدھ کو منحوس سمجھنا، یا کچھ آنکڑوں کو منحوس سمجھنا جیسے 13 کا آنکڑہ، یا ہر ماہ کی 13 ویں تاریخ کو منحوس سمجھنا جیسا کہ اہل یورپ کے یہاں پایا جاتا ہے۔

سنی جانے والی چیز سے بدشگونی لینا جیسے: الو یا گدھے کی آواز سن لینا، کسی کے گھر کوے کا کائیں کائیں کرنا۔

چھوٹے بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے اس کی پیشانی یا گال پر کاجل لگا دینا۔

آگے سے کالی بلی کے گزر جانے کو منحوس سمجھنا۔

شام کے وقت جھاڑو لگانے سے گریز کرنا اس سے دولت کم ہوتی ہے۔

پیاز یا چھری سرہانے رکھ کر سونے سے برے خواب نہیں آتے۔

ٹوٹے ہوئے آئینہ میں چہرہ دیکھنے سے گریز کرنا۔

دودھ ابل کر اگر برتن سے گر گیا تو اس کو منحوس سمجھنا۔

گھر کی چھت پر کوے کی کائیں کائیں آواز سے مہمان کی آمد کا عقیدہ رکھنا۔

چھینک اور ہچکی آنے پر یہ کہنا کہ کوئی یاد کر رہا ہے۔

دائیں ہتھیلی میں کھجلاہٹ ہے تو دولت آئے گی اور اگر بائیں ہتھیلی میں کھجلاہٹ ہے تو دولت جائے گی۔
کانچ کے ٹوٹنے کو منحوس سمجھنا۔
سورج ڈھلتے ہی گھر میں چراغ جلادینا یا ساری بتیوں کو جلادینا ورنہ بدروحیں اور شیطان وغیرہ آئیں گے۔
اگر مرد کی دائیں آنکھ اور عورت کی بائیں آنکھ پھڑ پھڑا رہی تو اچھی خبر ہے۔
گدھے اور الو کی آواز سے نحوست لینا۔
یہ تو ہم پرستی اور بدعقیدگی کی چند مثالیں ہیں ورنہ ہمارے معاشرہ میں بے شمار مثالیں ہیں۔

قرآن کریم میں دو مرتبہ نحس کا لفظ آیا ہوا ہے' ایک جگہ مفرد کے ساتھ اور دوسری جگہ جمع کے ساتھ' ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحاً صَرْصَراً فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴾ القمر: ۱۹

یعنی: ''ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی ہوا ایک پیہم منحوس دن میں بھیج دی''۔

دوسری جگہ اللہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحاً صَرْصَراً فِيْ أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ﴾ فصلت: ۱۶

یعنی: ''بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی' کہ انہیں دنیاوی زندگی ذلت کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور یقین مانو آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ رسوائی والا ہے' اور وہ مدد نہیں کئے جائیں گے''۔

دونوں آیتوں میں عذاب و عقاب کے اعتبار سے ان دنوں کو منحوس قرار دیا گیا ہے ورنہ کسی بھی مہینہ یا دن میں کوئی نحوست نہیں ہے' سارے مہینے' دن اور راتیں اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں' ہاں اللہ عزوجل کے یہاں افضلیت و برتری کا ضرور نظام پایا جاتا ہے لیکن کسی میں کوئی نحوست نہیں ہے جیسے ماہ رمضان سب سے افضل مہینہ ہے' جمعہ سب سے بہترین دن ہے' قربانی کا دن بہترین دن ہے' لیکن کسی بھی دن یا مہینہ میں کوئی نحوست نہیں ہے' اور اگر دنوں کو منحوس مان لیں تو بعض قوموں کو اللہ نے ایک ماہ تو بعض قوموں کو آٹھ آٹھ دنوں تک عذاب میں مبتلا رکھا' تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر دن منحوس ہے' جبکہ کوئی دن منحوس ہے نہ کوئی لمحہ و گھڑی' اگر انسان اوقات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں صرف کرتا ہے تو سارے اوقات اس کے لئے خیر و بھلائی کا ذریعہ ہیں' اور اگر ان اوقات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت میں گذارتا ہے تو وہ سارے اوقات اس کے لئے باعث حسرت و ندامت ہیں' اس میں ان اوقات کا کوئی قصور نہیں' قصور ان اوقات کو صحیح جگہ استعمال نہ کرنے کا ہے' اس کی مثال ایسے ہی جیسے طلباء کو امتحان کی تیاری کا وقت دیا جائے' جو بچہ وقت کو غنیمت جان کر امتحان کی تیاری کرتا ہے وہ ان شاء اللہ کامیاب و سرخرو ہوگا' اور جو بچہ اس کا فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ لہو و لعب اور سونے میں گذار دیتا ہے تو پھر اسے بروز امتحان حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا' اب وہ بچہ فیل ہونے کے بعد اگر وقت کو قصور وار ٹھہرائے تو یہ اس کی حماقت ہے۔

بدشگونی کو عربی زبان میں تشاؤم بھی کہا جاتا ہے' جو شؤم سے مشتق ہے' جس کے معنی بھی بدنصیبی کے ہیں' اس کلمہ کی اصل بائیں جانب پر دلالت کرتی ہے' اسی لئے ملک شام کا نام شام پڑا کیونکہ وہ کعبہ کے بائیں طرف واقع ہے' چونکہ بائیں طرف عرب قوم میں ناپسندیدہ تھی اسی لئے اس طرف پرندے کے اڑنے کو منحوس سمجھتے تھے۔ اسی مناسبت سے اسے تشاؤم کہا جاتا ہے۔

اس کا دوسرا نام تطیر اور طیرہ بھی ہے چونکہ زمانہ جاہلیت میں شگون کے لئے پرندوں کو اڑاتے تھے' اور عربی زبان میں پرندے کو طیر کہا جاتا ہے' اگر پرندہ داہنی جانب اڑتا تو خیر اور نیک شگون سمجھتے' اور وہ کام کر گذرتے جس کام کے لئے وہ پرندے کو اڑاتے' اور اگر بائیں جانب اڑ کر جاتا تو اسے

براشگون سمجھتے اور اس کام سے رک جاتے، اور اگر پرندہ سیدھا آگے نکل جاتا تو پھر دوبارہ کسی دوسرے پرندے کو اڑاتے۔ یہ ان کی جہالت اور حماقت تھی، پرندے اپنی مرضی سے جدھر چاہتے ہیں اڑتے ہیں، ان کے اڑنے میں کسی کی قسمت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

بدشگونی کا عقیدہ سراسر حرام وناجائز ہے، جب انسان ایک اللہ وحدہ لاشریک کی توحید کو مانتا ہے تو نفع ونقصان کا مالک بھی اسی کو سمجھتا ہے۔

بدشگونی کی تاریخ بڑی پرانی ہے ہر زمانے کے مشرکین، اپنے دور کے انبیاء وصالحین وموحدین سے براشگون لیتے تھے، اور انہی نیک لوگوں کو نحوست کا سبب سمجھتے تھے، حالانکہ نیک لوگ خیر کا ذریعہ اور سبب ہوا کرتے ہیں، بہرکیف سب سے پہلی قوم جس کے بارے میں اللہ نے قرآن کریم میں بدشگونی بیان کی ہے وہ صالح علیہ السلام کی قوم ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ۔﴿ **قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ قَالَ طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ** ﴾ **النمل: ۴۶**

یعنی: ''وہ کہنے لگے ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں، انہوں نے کہا: تمہاری بدشگونی اللہ کے یہاں ہیں، بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو''۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم بھی ان سے براشگون لیتی تھی، ارشاد باری تعالی ہے ﴿**فَإِذَا جَاءتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُواْ لَنَا هَـذِهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُواْ بِمُوسَى وَمَن مَّعَهُ أَلا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللّهُ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ**﴾ : **الأعراف: ۱۳۱**

یعنی: ''جب ان پر خوشحالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہماری وجہ سے ہے، اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے، یاد رکھو ان کی بدشگونی کا سبب اللہ کے علم میں ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اس بستی والوں نے بھی جن کی طرف اللہ نے بیک وقت تین رسولوں کو بھیجا ان تینوں رسولوں سے بدشگونی لی، ارشاد باری تعالی ہے ﴿**قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ (18) قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ**﴾ **سورة يس : ۱۹**

یعنی: ''انہوں نے کہا: ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کردیں گے، اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی، ان رسولوں نے کہا: تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے، کیا تم اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو''

مشرکین مکہ بھی نبی رحمت محمد ﷺ سے بدشگونی لیا کرتے تھے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ .**وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُواْ هَـذِهِ مِنْ عِندِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّهِ فَمَا لِهَـؤُلاء الْقَوْمِ لاَ يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثاً** ﴾ **النساء : ۷۸**

یعنی: ''اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے، انہیں کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے انہیں کیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں''۔

حالانکہ انبیاء ومومنین اور اللہ کے نیک وصالح بندے خیرات وبرکات کا سبب ہوتے ہیں، ان کے ذریعہ دنیا میں اصلاح ہوتی ہے اور فساد ختم ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے۔﴿**وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَـكِن كَذَّبُواْ فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ**﴾ **(الأعراف:۹۶)**

یعنی: ''اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا''۔

دنیا میں جو قحط سالی یا مصائب ہیں ان کا سبب فساق وفجار و بدکردار لوگ ہیں، اور جو کچھ خیرات وبرکات ہوتی ہیں وہ اللہ کا فضل ہیں۔

نحوست یا بدفالی و بدشگونی کا دوسرا نام توہم پرستی ہے جو شیطان کے وسوسے سے ہوتی ہے۔ اگر کسی کے دل میں کوئی ایسی بات ہو تو اللہ پر توکل کر کے کام کر لے کام سے ہرگز باز نہ آئے کیونکہ اگر وہ بدفالی و نحوست کی وجہ سے کام چھوڑ دیتا ہے تو وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ الطيرة شرك الطيرة شرك وما منا والا ولكن الله يذهبه بالتوكل (سنن أبو داؤد والترمذی وصححه)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے اندر کچھ نہ کچھ ہو لیکن اللہ تعالی اسے توکل سے ختم کر دیتا ہے (سنن ابوداؤد وسنن ترمذی)

عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال قال رسول الله ﷺ من ردته الطيرة عن حاجته فقد أشرك ' قالوا : فما كفارة ذلك قال " أن تقولوا اللهم لاخير الا خيرك ولاطير الا طيرك ولا اله غيرك " مسند أحمد وصححه الألباني .

عبداللہ بن عمرو بن لعاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جس کو اس کی حاجت سے بدشگونی روک دے تو اس نے شرک کیا، لوگوں نے کہا اس کا کیا کفارہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہو کہ اے اللہ تیرا علاوہ کوئی خیر نہیں پہنچا سکتا اور نہ ہی کوئی نقصان، اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے (مسند احمد)

بدشگونی چار وجوہات کی بنا پر عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔

۱۔ بدشگونی کرنے والا اللہ تعالی پر اعتماد و توکل چھوڑ کر غیر اللہ پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔

۲۔ غلط فال نکالنے یا بدشگونی کرنے والا تقدیر کا منکر ہو جاتا ہے جبکہ تقدیر پر ایمان لانا، ایمان کے ارکان کا ایک اہم ترین رکن ہے۔

۳۔ ایسا شخص ایسی چیز کیساتھ اپنا اعتقاد وابستہ کر لیتا ہے جسکی بذات خود کوئی حیثیت نہیں ہے محض اوہام و تخیلات کی پیروی کرنے لگ جاتا ہے۔

۴۔ نفع و نقصان کا مالک اللہ کی ذات کے علاوہ غیر اللہ کو سمجھنے لگتا ہے، اور ایسا کرنا شرک اکبر ہے، ارشاد باری تعالی ہے۔ ﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلاَ كَاشِفَ لَهُ إِلاَّ هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلاَ رَآدَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (یونس:۱۰۷)

ترجمہ: ''اور اگر اللہ تم کو تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اور اس کو دور کرنے والا نہیں ہے، اور اگر وہ تم کو خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کر دے، اور وہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے''۔

بدشگونی کرنے والا شخص دو احوال سے خالی نہیں ہوتا۔

۱۔ جونہی کوئی قبیح چیز دیکھی، اپنی بدفالی پر اس نے یقین کر لیا اور کام کاج چھوڑ کر بیٹھ گیا یہ بدفالی کی بدترین مثال ہے۔ اور یہ شرک اکبر ہے۔

اور اگر یہ عقیدہ رکھے کہ نافع وضار (نفع اور نقصان پہنچانے والا) تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر قبیح چیزیں صرف اسباب ہیں تو یہ عقیدہ شرک اصغر ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنی جانب سے ایسا سبب مقرر کیا، جس کو اللہ نے نقصان کا سبب نہیں بنایا ہے، جب کہ سبب بھی اللہ کی طرف سے ہے، وہی مسبب الاسباب ہے۔ حدیث میں وارد مذکورہ دعا کو پڑھنا ہی اس کا کفارہ اور علاج ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں تو لگا رہے مگر سخت قلق اور اضطراب میں رہے اور اسے ہمیشہ یہ خوف رہے کہ کہیں کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ رونما ہو جائے۔

یہ دونوں صورتیں جہاں دنیاوی طور پر نقصان دہ ہیں وہاں آخرت کی تباہی کی آئینہ دار بھی ہیں اور عقیدۂ توحید کے سراسر منافی بھی۔

ایک مومن کو چاہیے کہ اللہ تعالی پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے' جائز اسباب ووسائل کو اپناتے ہوئے نفع ونقصان کا معاملہ اسی ذات پر چھوڑ دے اور تقدیر الٰہی پر خوش رہے اور اپنے آپ کو اوہام وتخیلات کے سپرد نہ کردے۔

بدشگونی کا علاج: (۱) اللہ پر کامل توکل واعتماد کرنا (۲) ایمان وعقیدہ میں پختگی پیدا کرنا (۳) توحید وسنت کا پختہ علم حاصل کرنا (۴) اللہ کے علاوہ کسی کا دل میں خوف نہ بٹھانا (۵) تقدیر پر مکمل ایمان رکھنا (۶) اللہ کے علاوہ کسی کو نفع ونقصان کا مالک نہ سمجھنا (۷) کام سے باز نہ آنا بلکہ کر جانا (۸) جس دعا کا حکم نبی کریم ﷺ نے دیا ہے وہ پڑھنا یعنی یہ دعاء **(اللهم لاخير الا خيرك ولاطير الا طيرك ولا اله غيرك)**۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لا عدوى ولاطيرة ولاهامة ولا صفر (رواه البخاري ومسلم) **وزاد مسلم: ولانوء ولاغول .**

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے نہ چھوت چھات ہے' اور نہ ہی بدشگونی' اور نہ ہی ہامہ ہے اور نہ ہی صفر ہے' (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے اور نہ ہی نچھتر ہے اور نہ ہی بھوت پریت ہے۔

حدیث میں وارد الفاظ کی تشریح وتوضیح ۔

☆**عدوی کی تعریف**: اس کا معنی چھوت چھات ہے' تعریف اس کی ہے: ایک شخص سے دوسرے شخص کو یا ایک جانور سے دوسرے جانور کو یا ایک جگہ سے دوسری جگہ بیماری منتقل ہونے کو عدوی یا چھوت چھات کہا جاتا ہے۔

حدیث میں بیماری منتقل ہونے کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ تاثیر کی نفی کی گئی ہے مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ بیماریاں خود بخود منتقل ہوتی ہیں' جو بھی تندرست کسی بیمار کے پاس جائے گا وہ ضرور مریض ہو جائے گا' بیماری کے اس پھیلاؤ کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کرتے تھے' بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ بیماریوں میں یہ قدرت موجود ہے' تو اس حدیث میں انہیں کے عقیدہ کی نفی کی گئی ہے' ورنہ بیماریاں منتقل ہوتی ہیں' لیکن منتقل کرنے والا اللہ کی ذات ہے' بیماریوں میں یہ صلاحیت وقدرت موجود نہیں ہے' دوسری بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ مشرکین کا یہ عقیدہ ہر بیماری کے بیمارے میں تھا' حالانکہ ہر بیماری منتقل نہیں ہوتی ہے' کچھ خاص بیماریاں ہیں جو منتقل ہوتی ہیں' حدیث میں انہیں دو باتوں کی نفی کی گئی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **فر من المجذوم فرارك من الأسد** (صحیح بخاری) کوڑھی سے ایسے ہی بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو' ایسے ہی صحیح بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ (**لايورد ممرض علي مصح** یعنی بیمار کو تندرست پر نہ پیش کرو' اسی طرح آپ نے ان جگہوں کو جانے سے منع کیا ہے جہاں طاعون وغیرہ کی بیماری پھیلی ہوئی ہو کیونکہ وہاں جانے سے مرض لاحق ہوسکتا ہے اور وہاں سے دوری اختیار کرنا اسباب اختیار کرنے کے قبیل سے ہے جبکہ وہاں جانا ہلاکت میں ڈالنا ہے' ہاں اگر وہاں جانا ضروری ہو یا جانے ہی میں مصلحت ہو تو جایا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی جو وہاں ہو اس کو وہاں سے نکلنے سے منع کیا گیا ہے وہ اسی لئے کہ جب وہ طاعون کی بیماری لے کر دوسری جگہ جائے گا تو اس جگہ کے جو لوگ ٹھیک ٹھاک ہیں ان کے اس بیماری میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے ساتھ ہی وہ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہا ہے' اس لئے طاعون یا وبائی امراض والی جگہوں پر جانے اور وہاں سے نکلنے دونوں سے منع کیا گیا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی ملک کا سفر کر رہے تھے' جب آپ کو بتایا گیا کہ وہاں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے تو وہ راستے سے واپس ہو گئے' جب کسی نے اعتراض کیا تو جواب دیا: کہ اللہ کی تقدیر سے وہاں بیماری پھیلی ہوئے اور اسی کی قضاء وقدر سے میں واپس ہو رہا ہوں۔

نہ صرف حسی وجسمانی بلکہ اخلاقی بیماریاں بھی منتقل ہوتی ہیں، اسی لئے شریعت میں اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور برے لوگوں کی صحبتوں سے منع کیا گیا ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے **المرء علی دین خلیله فلینظر من یخالله** . آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا جسے وہ دوست بنا رہا ہے اس کو جانچ پرکھ لے۔

ھامه کا معنی: (۱) الو جیسے ایک پرندے کا نام ہے عربوں کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی شخص قتل ہو جائے تو اس کا انتقام لینے تک یہ پرندہ اس کے گھر والوں کے پاس بولتا رہتا ہے۔

(۲) الو کی شکل میں مقتول کی روح ہوتی ہے اور جب تک انتقام نہ لیا جائے اس وقت تک الو بول بول کر مقتول کے ورثاء کو ایذا پہنچاتا رہتا ہے۔

(۳) یہ الو پرندہ ہے زمانہ جاہلیت میں اسے منحوس سمجھا جاتا تھا۔

افسوس ہے کہ آج بھی بہت سارے مسلمان جب الو کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں ان شاء اللہ خیر ہوگا، سلف نے اسے ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے پیچھے دور جاہلیت کی بدعقیدگی کارفرما ہے، کیونکہ الو بھی اسی طرح بولتا ہے جس طرح دیگر پرندے اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں، لہذا اس موقعہ پر کسی خیر و شر کا اظہار نہیں کرنا چاہئے، یہ عقیدہ توحید، اللہ پر توکل اور تقدیر پر ایمان کے منافی ہے۔

صفر کا معنی : اہل علم سے اس کے کئی معانی وارد ہیں:

(۱) اس سے مراد صفر کا مہینہ ہے عرب اس مہینے سے بدشگونی لیا کرتے تھے۔ اس مہینے میں نہ شادی کرتے نہ سفر اور نہ ہی تجارت وغیرہ۔

(۲) یہ پیٹ کی ایک بیماری کا نام ہے جو اونٹ کو لاحق ہوتی ہے اور اس سے دوسرے اونٹوں کو منتقل ہو جاتی ہے۔

(۳) اس سے مراد صفر کا مہینہ ہے عرب ایک سال اس مہینہ کو حلال اور ایک سال حرام قرار دے دیا کرتے تھے۔ راجح پہلا قول ہے، تأثیر میں زمانوں اور مکانوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، ماہ صفر بھی دیگر مہینوں کی طرح ہے اس میں اللہ نے خیر بھی مقدر کر رکھا ہے اور شر بھی، لہذا اسے منحوس سمجھنا یہ جہالت ہے۔ آج بہت سارے لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ اس مہینہ کو صفر الخیر لکھتے ہیں، یہ بدعت کا علاج بدعت سے اور جہالت کا جہالت سے قبیل سے ہے، ورنہ صفر نہ خیر کا مہینہ ہے اور نہ ہی شر کا۔

صحیح مسلم میں وارد لفظ نوء اور غول کی تشریح :

نـــوء : ستاروں کی گردش کا نام ہے زمانہ جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ ستاروں کے نکلنے یا ڈوبنے سے بارش ہوتی ہے، اور ہوائیں چلتی ہیں، جب فلان ستارہ فلاں برج میں جاتا ہے تو بارش ہوتی ہے، اور بارش برج اور ستارہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اسلام نے ان کے اسی عقیدے کی تردید کی ہے، ہواؤں کا چلنا یا ستاروں کا ڈوبنا یہ سب کچھ ایک نظام کے تحت ہوتا ہے جس کا چلانے والا اللہ ہے، اور بارشیں اللہ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتی ہیں، اس میں پچھتر یا ستارے کا عمل دخل نہیں ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے ﴿وَتَجۡعَلُونَ رِزۡقَكُمۡ أَنَّكُمۡ تُكَذِّبُونَ ﴾ (الواقعۃ :۸۲) اور بارش میں تم جھوٹ بولتے ہو۔

یعنی یہ کہتے ہو کہ ستارے، فلاں برج میں جانے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ یہ جھوٹ ہے اس لئے کہ اللہ ہی بارش برسانے والا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بارش کی نسبت اللہ کی طرف کرتے، اور اللہ ہی کو اس کا حقیقی منعم مانتے لیکن انہوں نے یہ کر کے غلط بیانی سے کام لیا۔

صحیحین میں زید بن خالد الجہنی سے روایت ہے (**صلی لنا رسول الله ﷺ صلاة الصبح بالحديبية على إثر سماء كانت من الليلة ، فلما انصرف أقبل على الناس ، فقال : هل تدرون ما ذا قال ربكم ؟ قالوا : الله ورسوله أعلم ، قال : قال الله : أصبح من**

عبـادي مومن بي و كافر ، فأما من قال : مطرنا بفضل الله ورحمته فذاک مؤمن بي و كافر بالكواكب ، وأما من قال : مطرنا بنوء كذا و كذا فذلک كافر بي ومؤمن بالكواكب)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کی صبح رات میں بارش کے بعد صلاۃ پڑھائی، جب سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے فرمایا: میرے بندوں میں کچھ نے ایمان کی حالت میں صبح کی تو کچھ نے کفر کی حالت میں، جس نے یہ کہا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ میرے اوپر ایمان لانے والا ہے اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے، اور جس نے یہ کہا فلاں فلاں نچھتر کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی تو اس نے میرا انکار کیا اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہو گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں امام قتادہ رحمہ اللہ سے معلقا بالجزم بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں ستاروں کو اللہ نے تین مقاصد کے لئے پیدا کیا ہے (۱) آسمان کی زینت ہیں (۲) شیطان کو مارنے کے لئے (۳) علامات ونشانات ہیں جن سے لوگوں کو رہنمائی ملتی ہے۔

قرآن کریم سے تینوں کی دلیل یہ ہے (۱) ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاء الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُوماً لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾ (سورۃ الملک: ۵)

یعنی: بیشک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے آراستہ کیا، اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا اور شیطانوں کے لئے ہم نے جلانے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۲) ﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاء الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ﴾ (الصافات: ۶) یعنی: ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔

(۳) ﴿وَعَلَامَاتٍ وَّبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُون﴾ النحل: ۱۶) یعنی: اور بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں۔

یہ بدعقیدگی گرچہ زمانہ جاہلیت کی ہے لیکن نبی آخر الزماں نے پیشین گوئی کی ہے کہ یہ چیز ہماری امت میں بھی پائی جائے گی، صحیح مسلم میں ابو مالک اشعری سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے **(أربع في أمتي من أمر الجاهلية لايتركونهن ، الفخر بالأنساب ، والطعن في الأنساب ، والاستسقاء بالنجوم ، والنياحة)**

ترجمہ: ''میری امت میں جاہلیت کی چار چیزیں باقی رہیں گی لوگ انہیں نہیں چھوڑیں گے، حسب ونسب پر فخر، حسب ونسب میں طعن، ستاروں سے بارش طلب کرنا، اور نوحہ کرنا۔

اور سنن ترمذی میں ہے **(أربع في أمتي من أمر الجاهلية لن يدعهن الناس : النياحة ، والطعن في الأحساب ، والعدوى ، والأنواء مطرنا بنوء كذا و كذا)** ترجمہ: میری امت میں جاہلیت کی چار چیزیں رہیں گی انہیں لوگ کبھی نہیں چھوڑیں گے، نوحہ، حسب ونسب میں طعن، چھوت چھات، اور نچھتروں سے بارش۔

اور مسند احمد میں ہے امام البانی نے صحیح کہا ہے **(أخاف على أمتي ثلاثا : استسقاء بالنجوم ، وحيف السلطان ، وتكذيبا بالقدر)**

ترجمہ: مجھے میرے امت سے تین چیزوں کا خوف ہے ستاروں سے بارش طلب کرنا، اور سلطان کا ظلم کرنا، اور تقدیر کا انکار کرنا۔

بارش کی نسبت کا حکم: (ا) اگر کوئی پچھتر اور ستاروں ہی کو موثر اور متصرف مانتا ہے یعنی اس کا عقیدہ ہے کہ ستارے ہی بارش برسانے والے ہیں' اللہ کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے' یا ستاروں سے بارش طلب کرتا ہے تو یہ کفر اکبر اور شرک اکبر ہے' اس عقیدے کا حامل شخص دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے ۔کیونکہ اس میں اللہ کا انکار ہے۔ یہ صابیوں کا عقیدہ ہے۔

(۲) اگر کوئی ستاروں کی طرف بارش کی نسبت سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ صرف بارش کے نزول کا سبب ہیں' بارش برسانے والا تو صرف اللہ کی ذات ہے تو یہ کفر اصغر ہے کیونکہ اللہ نے ستاروں اور پچھتروں کو بارش کا سبب نہیں بنایا ہے' بدلیاں بارش کا سبب ہیں ۔ بارش یا ہواؤں کا چلنا یہ سب اللہ کی تدبیر کا حصہ ہیں' اس میں ستاروں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔اور اللہ نے ستاروں کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا ہے' جیسا کہ قتادہ سے بیان کیا گیا ہے۔

(۳) مستقبل کے حادثات پر ان سے استدلال کرنا یعنی یہ کہنا کہ اب یہ ہونے والا ہے' مہنگائی بڑھنی والی ہے' فصل تباہ ہونے والی ہے' فلاں کی حکومت گرنے والی ہے' اس برج میں شادی کامیاب ہوگی' تجارت کامیاب ہوگی' سفر کامیاب رہے گا' یا یہ برج نحوست والا ہے تو یہ کہانت وجادو اور علم غیب کا دعوی ہے یہ بھی اجماعا کفر ہے۔ستاروں کے تعلق سے یہ تینوں اعتقادات باطل اور کفر ہیں ۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

(**ثلاثة لایدخلون الجنة مدمن خمر وقاطع رحم ومصدق بالسحر**) مسند احمد وابن حبان فی صحیحہ

ترجمہ:''تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے شراب کا عادی' رشتوں کو توڑنے والا اور جادو کو سچ جاننے والا۔

وقال رسول اللہ ﷺ: (**من أتی کاهنا أو عرافا فصدقه بما یقول فقد کفر بما أنزل علی محمد** ﷺ) (سنن اربعہ)

ترجمہ:''جو کسی کاہن یا قیافہ شناس کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کا انکار کر دیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی''۔

وقال رسول اللہ ﷺ (**من أتی کاهنا فسأله عن شیء لم تقبل له صلاة أربعین یوماً**) (صحیح مسلم)

ترجمہ:''جو کسی کاہن کے پاس گیا اور اس سے اس نے کوئی بات پوچھی تو اس کی چالیس دنوں تک صلاۃ قبول نہیں کی جائے گی''۔

(۴) اور اگر کوئی اس سے مراد وقت کو لیتا ہے یعنی اس وقت بارش ہوتی ہے جیسے: جولائی بارش کا مہینہ ہے' یا جب بدلی ہوتی ہے تو اللہ کے حکم سے بارش ہوتی ہے تو یہ کہنا درست ہے۔اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔لیکن یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اگر چہ یہ بارش کا وقت ہے لیکن اگر اللہ نہ چاہے تو بارش نہیں ہوگی' یا اللہ اگر چاہے تو بغیر موسم اور وقت کے بھی بارش کر سکتا ہے' جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ سعودی عرب میں موسم سرما میں بارش ہوتی ہے' ایسے ہی ہمارے ملکوں میں بھی کبھی کبھی سخت ٹھنڈ کے موسم میں بارش ہو جاتی ہے ایسے ہی آپ سنتے ہیں کہ فلاں فلاں ملکوں میں قحط سالی ہے جبکہ وہاں کبھی خوب بارش ہوا کرتی تھی' اسی طرح جہاں کبھی بارش نہیں ہوتی تھی اب وہاں خوب بارشیں ہو رہی ہیں' تو اصل بارش برسانے والا اللہ کی ذات ہے' یہ سب اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت ہے۔

غول کا معنی : (ا) بھوت پریت کا واہمہ (۲) زمانہ جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ جن وشیاطین صحراء اور جنگل میں ظاہر ہوتے ہیں اور لوگوں کو ڈراتے اور راستے سے بھٹکاتے ہیں۔اس کا علاج قرآن اور صبح وشام کے اذکار کا پڑھنا ہے۔

عن أنس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ لاعدوی ولا طیرة ویعجبنی الفال قالوا : وما الفأل ؟ قال : الکلمة الطیبة (البخاری ومسلم)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے نہ چھوت چھات ہے اور نہ ہی بدشگونی ہے' اور مجھے فال پسند ہے' لوگوں نے کہا: فال کیا ہے تو آپ نے فرمایا: پاکیزہ بات (بخاری ومسلم)

معنى الفال : الكلمة الطيبة نبی کریم ﷺ جب اچھا نام سنتے یا پاکیزہ گفتگو یا مقدس و پاک جگہ سے گذرتے تو آپ کے دل کو شرح واطمینان حاصل ہوتا اور اللہ سے حسن ظن رکھتے ہوئے اس سے خیر و بہتری کی امید رکھتے۔

فال کا مطلب ہے: خیر کی امید جبکہ تطیر کا مطلب ہے شر کی امید اور اس کا اندیشہ۔ خیر کی امید رکھنا مطلوب ہے کیونکہ یہ حسن ظن ہے اور حسن ظن کا حکم دیا گیا ہے، اور تطیر بدظنی ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے، جب انسان کوئی اچھا کلمہ سنتا ہے تو اس کے دل کو شرح اور سکون وطمینان حاصل ہوتا ہے، اور وہ خیر کی امید کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اچھے ناموں سے خیر کی امید رکھتے تھے، جیسے صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ نے کفار کے نمائندہ سہیل بن عمرو کے نام کی مناسبت سے اللہ رب العالمین سے اچھی امید کی کہ اب صلح آسان ہوجائے گی تو اللہ نے صلح کو آسان کردیا اور دونوں فریق صلح پر راضی ہوگئے ۔اسی طرح جن ناموں سے فسق و فجور، معصیت و نافرمانی واضح ہوتی تھی تو ان ناموں کو نبی کریم ﷺ بدل دیا کرتے تھے۔

اچھی فال بدشگونی میں سے نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے پیش قدمی میں انسان کے اندر حرکت ونشاط آجاتا ہے۔ جبکہ بدشگونی انسان کو بزدل بنادیتی ہے، اسی طرح بدشگونی میں بندے کا تعلق اللہ سے کم اور غیر اللہ پر زیادہ ہوجاتا ہے، جب کہ اچھی فال میں غیر اللہ سے تعلق نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کی وجہ سے توکل علی اللہ میں کمی آتی ہے۔ بلکہ اللہ پر اعتماد بڑھتا ہے اور اللہ کے ساتھ حسن ظن قائم ہوتا ہے۔

ختم شد